رفیع اللہ

جدید عربی ادب

ادب میں جدید رجحانات کے چراغ اس وقت روشن ہوتے ہیں جب کسی قوم کی سیاسی اور سماجی زندگی میں انقلابات برپا ہوتا ہے۔ کیونکہ اس وقت زندگی کا دائرہ وسیع ہوجاتا ہے، اس میں نئے نئے افکار و مسائل پیدا ہوتے ہیں اور غور و فکر کے لیے نئی نئی راہیں کھلتی ہیں۔ جس طرح ہندوستان میں ۱۸۵۷ء کے انقلاب سے پہلے تبدیلی کی کوئی ایسی لہر نہیں اٹھی تھی اسی طرح عربی ممالک بھی جمود کا شکار تھے۔ تیرھویں صدی ہجری کے اوائل میں تو ان کی حالت اور بھی خستہ تھی۔ حکومت نااہل لوگوں کے ہاتھ میں تھی اور انتہائی ناگفتہ بہ حالات کی بدولت قوم کی اخلاقی قدریں مسخ ہو رہی تھیں۔ یہ بدحالی عربی ادب پر بھی اثر انداز ہوئی۔ عربی کا جو کچھ مطالعہ کیا جاتا تھا وہ محض اس نقطۂ نظر سے کہ قرآن مجید اور حدیث شریف کے مطالب سمجھ میں آسکیں۔ اور اگر کہیں یہ مطالب عربی ادبیات کی مدد کے بغیر ہی سمجھ میں آسکتے تو اس کا مطالعہ ہی ترک کر دیا جاتا۔ یہ رجحان عربی ادبیات کی موت کا باعث بننے لگا۔

اقوامِ مغرب نے جب ممالکِ عربیہ کو زوال و پستی کی حالت میں دیکھا تو انہوں نے اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور اسلامی ممالک پر اپنا تسلّط قائم کرنے کے لیے مختلف قسم کی اسکیمیں بنائیں۔ اس دفعہ ان کا حملہ صلیبی جنگوں کی صورت میں نہ تھا۔ بلکہ ان کا اعلان تھا کہ وہ تجارتی منڈیوں کی تلاش میں آئے ہیں اور مشرقی ممالک میں جدید علوم و فنون کی ترویج چاہتے ہیں۔ تاہم جو لوگ ان کے لیے روکاوٹ بنے ان سے انہوں نے جنگیں بھی کیں۔ مصر اور شام میں مغربی قوموں کے تسلّط کی ابتدا ۱۷۹۸ء میں نپولین کے حملہ سے

ہوئی اور ممالکِ عربیہ میں جدید علوم وفنون کا تعارف اسی کے طفیل ہوا۔ اگرچہ اس سے بھی کچھ عرصہ پہلے عیسائی مشنری لبنان اور شام میں ابتدائی کام کر چکے تھے۔

نپولین کے ساتھ علماء کی ایک جماعت تھی جس نے مصر میں تہذیبِ مغرب کا پودا لگایا۔ ان لوگوں نے دو مدرسے کھولے اور دو اخبار جاری کیے۔ ایک اخبار کا نام "الاعشور المصری" تھا جو دس دن کے وقفہ کے بعد شائع ہوتا تھا۔ اور دوسرا "برید مصر" تھا۔ اس کے علاوہ تھیٹر، لائبریریاں، چھاپے خانے اور سائنسی تجربہ گاہیں قائم کیں۔ یہ ادارے صرف خواص تک محدود نہ تھے، بلکہ ہر خاص وعام کے لیے کھلے تھے اور کسی کے لیے کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں تھی۔ تاہم نپولین کا سب سے زیادہ شاندار کارنامہ ایک علمی مجلس "المجمع العلمی المصری" کا قیام تھا۔ اس انجمن کے اڑتالیس اراکین تھے جو مختلف شعبہ ہائے علوم کے ماہر تھے۔ اس علمی مجلس میں بڑے قیمتی مباحث ہوتے تھے جو ہر تین ماہ بعد کتابی صورت میں شائع کر دیئے جاتے تھے۔ مصریوں نے جب یہ علمی کمالات دیکھے تو انھوں نے محسوس کیا کہ انیسویں صدی میں بھی ان کا درجہ مغرب کے مقابلہ میں حیوان کے برابر ہے اور اہلِ مغرب ان کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس تصوّر سے ان پر دہشت طاری ہوگئی۔ تاہم انھوں نے ہمت نہ ہاری، بلکہ جدید علوم وفنون کے حصول کے لیے تگ ودَو شروع کر دی۔

جب محمد علی پاشا جیسا بیدار مغز بادشاہ مصر کے تخت پر جلوہ افروز ہوا تو اس نے محسوس کیا کہ یورپی تہذیب وترقی کی بنیاد علم پر ہے۔ چنانچہ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ بھی نظامِ حکومت ومعاشرت انہی بنیادوں پر قائم کرے گا۔ فرانسیسی اپنے دَور میں جو اچھی چیزیں اور عمدہ آثار چھوڑ گئے تھے ان کی اس نے قدر کی اور اسی انداز سے مصریوں کی تعلیم وتربیت شروع کر دی اس نے شہروں اور دیہاتوں میں ہر قسم کے مدارس قائم کیے اور لوگوں کو حصول تعلیم کے لیے مجبور کیا۔ فرانس اور دوسرے مغربی ممالک سے تعاون کی درخواست کی اور وہاں سے بہت سے ماہرین مختلف علوم وفنون کی تدریس وتالیف کے لیے مصر آ گئے۔ ان میں ڈاکٹر کلوٹ بک بانیِ مدرسہ

سائنس اور جومار بک نے بڑی شہرت حاصل کی۔ ان کی نگرانی میں چوالیس طالب علم فارغ التحصیل ہوئے اور انہیں مزید اعلیٰ تعلیم کے لیئے ۱۸۲۶ء میں فرانس بھیجا گیا۔ وہاں کی علمی اور ادبی ترقی نے ان طلباء کو مسحور کردیا اور وہ دل میں یہ خواہش لے کر واپس آئے کہ مصر بھی علمی ترقی میں نمایاں مقام حاصل کرلے۔ جب پہلے تعلیمی وفد کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا تو مزید علمی وفود اعلیٰ تعلیم کے لیے مختلف یورپی ممالک میں بھیجے گئے۔ انہوں نے واپس آتے ہی تالیف وترجمہ کا کام شروع کردیا۔ ان تمام طلباء نے ابتدائی تعلیم جامعہ ازہر ہی میں حاصل کی تھی۔ کیونکہ اس وقت مصر میں ازہر کے سوا کوئی اور یونیورسٹی تھی ہی نہیں، اس لیے عربی زبان وادب کی نشاۃ ثانیہ بھی ایک حد تک اسی ادارۂ عالیہ کی رہین منت ہے جس نے اس زوال پذیر زمانے میں بھی عربی کی حفاظت کی تھی۔

ان طلباء کی مدد سے مدرسہ الالسنہ اور دارالترجمہ قائم ہوا۔ اور فرانسیسی مطبع کی طرز پر، جو نپولین کی واپسی کے ساتھ ہی ختم ہوگیا تھا، المطبعۃ المصریہ قائم ہوا۔ جہاں سے مشرق کا پہلا عربی اخبار "الوقائع المصریہ" شائع ہونے لگا۔ فرانسیسیوں نے جو دو اخبارات جاری کیے تھے وہ فرانسیسی زبان میں تھے۔ ان طلباء کے طفیل مختلف علوم وفنون کی درجنوں کتابیں عربی میں منتقل ہوگئیں۔ جن سے عربی زبان میں انقلاب آگیا۔ بیشمار علمی اصطلاحات اور نئے نئے الفاظ داخلِ زبان ہوگئے۔ چنانچہ نپولین جو چنگاری چھوڑ گیا تھا اس نے بھڑک کر بڑی آگ کی صورت اختیار کرلی۔ محمد علی پاشا نے اسے اور بھڑکایا۔ یہاں تک کہ اس کے شعلے شام اور دوسرے عربی ممالک تک پہنچ گئے اور ایک خوابیدہ قوم جاگ اُٹھی۔

امیر بشیر الشہابی نے لبنان میں وہی کچھ کیا جو محمد علی نے مصر میں کیا۔ لیکن اسے ایک مزید فوقیت بھی حاصل تھی کہ عیسائی مشنری نے جو فرانس اور امریکہ سے آتے ہوئے تھے، مدارس کے قیام اور چھاپہ خانوں کے اجراء میں اس کی مدد کی۔ انہوں نے اپنے مطالب کے اظہار کے لیئے عربی زبان ہی کو منتخب کیا۔ اس میں کتابیں لکھیں، اخبارات جاری کیے اور ڈرامے اسٹیج کیے۔ ان کی کوششوں سے لبنان میں بڑے بڑے ادیب، شاعر اور مترجمین پیدا ہوگئے۔ ان دونوں

خطوں نے مل کر عربی زبان کی بے مثال خدمت کی۔ جدید علمی کتابوں کے عربی میں ترجمے کیے گئے اور بہت سی قدیم اور نادر عربی کتب زیور طبع سے آراستہ ہوئیں جس سے عربی زبان میں زندگی کی لہر دوڑ گئی۔ تاہم لبنان میں عربی ادب خاطر خواہ ترقی نہ کر سکا۔ کیونکہ امیر کا زیادہ تر رجحان سائنسی علوم کی طرف تھا جن کی زبان عام اور اسلوب اصطلاحی تھا اس لیے ان کے زمانے میں دفاتر کی زبان عربی اور ترکی کی معجون مرکب تھی۔

مصر میں صورتِ حالات مختلف تھی۔ اس کی ادبی ترقی کے لیے شیخ حسن العطار، بطرس کرامۃ، سید علی الدرویش اور رفاعۃ بک الطہطاوی جیسے اعلیٰ پایہ کے ادیب موجود تھے جنہوں نے زبان کے اسلوبِ بیان میں ندرت پیدا کی۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے شام میں علمی حرکت عیسائی مشنریوں کے طفیل پیدا ہوئی۔ شامی عیسائیوں نے مشنری مدارس سے خوب خوب فائدہ اٹھایا۔ مشنری مدارس سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد انہوں نے محسوس کیا کہ مصر میں کام کرنے کا میدان وسیع ہے۔ چنانچہ بہت سے شامیوں نے مصر کا رُخ کیا اور وہاں کی علمی و ادبی ترقی میں معاون ثابت ہوئے۔ انہوں نے تعلیم و تدریس کے شغل کے ساتھ ساتھ کتابیں بھی تصنیف کیں اور عربی ممالک کی نسبت ان میں اعلیٰ پایہ کے شاعر اور ادیب پیدا ہوئے۔ اور یہ ادب ہی ان کا ذریعہ معاش بنا۔

مصر میں تو ادبی ترقی کی وہ رفتار نہ رہی جو شام میں تھی۔ بلکہ عباس پاشا اور سعید پاشا کے عہد میں تو علمی سرگرمی کچھ ماند ہی پڑ گئی۔ اور بہت سے مدارس بند ہو گئے۔ تاہم ۱۸۶۳ء میں جب اسماعیل پاشا تخت نشین ہوا تو اس نے اس میں دوبارہ نئی رُوح پھونکی۔ جو مدرسے بند ہو گئے تھے۔ انہیں دوبارہ کھولا بلکہ ان میں کچھ مزید مدارس کا اضافہ کیا۔ ہر صنفِ علم کے لیے علیحدہ علیحدہ مدرسے قائم کیے اور ایک دفعہ پھر یورپ کی طرف علمی وفود جانے لگے۔ نظامِ تعلیم کو بہتر بنیادوں پر قائم کرنے کے لئے محکمۂ تعلیم کے قیام کی منظوری دی۔ ایسے

مصنفین جو مالی پریشانیوں میں مبتلا تھے ان کی مالی اعانت کی تاکہ وہ اپنی کتابیں چھپوا سکیں اس کا فوری نتیجہ یہ نکلا کہ بہت سی نئی نئی کتابیں طبع ہوکر عوام تک پہنچنے لگیں۔ اسماعیل پاشا کا دور نسبتاً زیادہ پُرامن تھا، تہذیب مغرب بھی اپنے پر پُرزے نکال چکی تھی، اس لئے بہت سے یورپین لوگ ملازمت اور تجارت کی غرض سے مصر آگئے۔ ان میں عالم بھی تھے اور ادیب بھی، اور مصریوں کے ساتھ ان کے بکثرت میل جول نے عربی ادب کی ترقی پر بڑا ہی خوشگوار اثر ڈالا۔

مصر جب اس طرح ترقی کی منازل طے کر رہا تھا تو یکایک ۱۸۸۲ء میں انگریزوں نے حملہ کرکے اپنا تسلط جما لیا۔ اس سانحہ سے ترقی کی تمام اسکیموں پر پانی پھر گیا۔ انگریزوں نے مصری نظام تعلیم بدل کر اپنا مفید مطلب تعلیمی نظام جاری کیا۔ ان کا مطمح نظر حکومت کے لیے مختلف قسم کے ملازمین مہیا کرنا تھا۔ اور بس۔ عربی زبان کی جگہ انگریزی نے لے لی۔ تاہم اب مصری قوم میں اتنی طاقت آ چکی تھی کہ وہ خود اپنے پاؤں پر کھڑی ہو سکے مغربی علوم وفنون نے ان کی آنکھیں کھول دی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے سر دھڑ کی بازی لگادی کہ عربی زبان انگریزی زبان سے دب نہ جائے۔ اپنے بچوں کی تعلیم کا نظام اپنے ہاتھ لے لیا۔ اور اس مقصد کے لیے سیکڑوں غیر سرکاری مدارس قائم کیے۔ اور یورپ کی طرف تعلیمی وفود اپنے ذاتی اخراجات پر جانے لگے۔ عوام میں آزادی کی لہر دوڑ گئی اور انگریزوں کے عزائم کے خلاف جذبۂ حب الوطنی تیز تر ہوگیا۔

جدید عربی ادب کے محرکات

مغربی علوم وتہذیب کا اثر

انیسویں صدی کا ابتدائی زمانہ تھا کہ نپولین کے حملہ کی وجہ سے مغربی تہذیب نے مصر میں رواج پانا شروع کیا۔ اگرچہ لبنان اور شام میں اس سے بھی کچھ پہلے عیسائی مبلغوں کی سرگرمیو

کی وجہ سے اس کی ابتدا ہو چکی تھی۔ مشرقی اور مغربی تہذیبوں کے ملنے سے عربی علوم وادب کو دو چند فائدہ ہوا۔ ایک طرف تو وہ مغربی علوم وفنون سے اثر پذیر ہوئے اور دوسری طرف بہت سے مغربی محبانِ علم نے بھی عربی زبان اور علوم سے گہری دلچسپی لینی شروع کی۔ یہ مستشرق کہلائے۔ انہوں نے مشرق کے علوم اور مشرقی تہذیب کو سمجھنے کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ ان کی کوششوں سے مغرب کے علمی مراکز سے عربی زبان کی بہت سی نادر اور قدیم کتابیں زیورِ طبع سے آراستہ ہوئیں۔ طباعت سے پہلے ان کتب کی تحقیق و تہذیب کا کام بڑی محنت اور جانفشانی سے کیا جاتا تھا۔

لبنان اور شام میں امریکی اور فرانسیسی مشنری اپنے ساتھ مغربی تہذیب کے لوازمات لائے۔ عربی ممالک میں کام کرنے کی غرض سے ان کے لیے لازمی تھا کہ وہ عربی زبان اور تہذیب سے کماحقہٗ واقف ہوں۔ انہوں نے اپنی تعلیمات کو پھیلانے کے لیے عربی زبان ہی کو ذریعۂ تعلیم بنایا۔ بائبل کا ترجمہ بڑی محنت سے تیار کروا کر طبع کیا گیا۔ شام اور لبنان میں ویسے بھی عرب عیسائی کافی تعداد میں بستے تھے۔ انہوں نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اپنے کو مغربی تہذیب کے رنگ میں رنگ دیا۔ وہ غیر ملکی مشنریوں کے کام میں برابر کے شریک ہو گئے۔ چنانچہ بہت سے ایسے عالم پیدا ہو گئے جنہوں نے عربی زبان اور ادب میں نئے نئے اسالیب کو رواج دیا۔ اور اس کی ترقی میں نمایاں حصّہ لیا۔ ناصیف یازجی، ان کے بیٹے شیخ ابراہیم اور احمد فارس اور ادیب اسحاق کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

جدید مدارس کا قیام

اس وقت تک ممالک عربیہ میں ایک ہی قابلِ ذکر علمی ادارہ ازہر یونیورسٹی تھا۔ اس میں جو تعلیم دی جارہی تھی محمد علی پاشا نے اسے جدید سائنسی علوم کے لیے ناکافی سمجھا چنانچہ اس نے یورپین اساتذہ کی مدد سے مختلف علوم وفنون کے مدرسے قائم کیے۔ ان مدارس میں سے عربی زبان وادب کی جس نے سب سے زیادہ خدمت کی وہ مدرسہ دارالعلوم ہے

جس کے بانی سبانی علی مبارک پاشا تھے۔ سیکڑوں کی تعداد میں اساتذہ، قاضی، وکیل اور دوسرے اہلِ علم اس مدرسہ سے فارغ التحصیل ہوئے۔ بلکہ زمانہ جدید کے تمام اہلِ علم و اہلِ قلم کسی نہ کسی حیثیت سے اس مدرسہ کے فیض یافتہ ہیں۔ شیخ محمد عبدہٗ نے اس مدرسہ کی بڑی تعریف کی ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ اس کی تعریف میں فرمایا کہ اگر کوئی پوچھے کہ عربی زبان کہاں مردہ ہوتی ہے اور کہاں زندہ تو میں کہوں گا کہ وہ ہر جگہ مردہ ہوتی ہے، اور صرف اس جگہ (یعنی دار العلوم میں) زندہ ہوتی ہے۔ اس حقیقت سے تو کسی کو بھی انکار نہیں کہ اس مدرسہ کے طفیل عربی زبان کا حصول زیادہ سہل ہو گیا۔

احمد حسن الزیات کا خیال ہے کہ عربی زبان کے احیاء اور تہذیب جدید سے اس کے فیض یاب ہونے کی اولیت مدرسۃ الطب کو حاصل ہے جو ڈاکٹر کلوٹ بک کی نگرانی میں قائم ہوا تھا۔ اس ادارہ میں جو علمی لکچر فرانسیسی زبان میں دیئے جاتے تھے۔ ان کا ترجمہ عربی زبان میں کر دیا جاتا تھا۔ اور یہ سلسلہ عربی زبان کی ترقی کے لیے مفید ثابت ہوا۔ مترجمین کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے مدرسۃ الالسنہ قائم ہوا۔ جس کے نگران مشہور ادیب رفاعہ بک الطہطاوی تھے۔ یہاں سے باضابطہ طور پر مترجمین فارغ التحصیل ہونے جو مختلف علوم و فنون کی کتابیں عربی میں منتقل کرنے لگے۔

جامع ازہر کی تنظیم جدید

جامع ازہر دنیا کی قدیم یونیورسٹیوں میں سے ہے۔ اس کی بنیاد جوہر الصقلی نے رکھی تھی اس نے علماء دین کے لیے ایسی ایسی سہولتیں مہیا کیں کہ وہ تمام اقطارِ عالم سے کھنچے چلے آئے بعد میں خلیفہ العزیز باللہ کے وزیر یعقوب بن کلس نے جو یہودی الاصل تھے لیکن مشرف بالایمان ہو کر بہت بڑے عالم دین ہو گئے تھے، اسے مزید ترقی دی انہوں نے طلباء کے لیے ہوسٹل بنائے۔ اور ان کو مالی پریشانیوں سے نجات دلانے کے لیے ان کے وظائف مقرر کیے۔

اس میں شک نہیں کہ ازہر یونیورسٹی نے ایک ہزار سال سے علومِ اسلامیہ و عربیہ کی جو

خدمات انجام دیں، تاریخ اس کی مثال لانے سے قاصر ہے۔ خصوصاً زوالِ بغداد کے بعد تو صرف یہی ایک ادارہ تھا جس نے علومِ عربیہ کی شمع کو روشن کیے رکھا۔ نپولین اور محمد علی کی ترقیاتی اسکیموں میں رنگ بھرنے والے لوگ جامع ازہر ہی کے فارغ التحصیل تھے۔ تاہم اس ادارۂ عالیہ میں کسی حد تک جمود بھی طاری تھا جس کے توڑنے کے لیے علمائے ازہر کسی حالت میں تیار نہ تھے۔ اور وہ جدید اصلاحات کی سخت مخالفت کرتے تھے۔ شیخ محمد عبدہٗ نے بڑی جدوجہد کے بعد اس میں کچھ جدید علوم کو رواج دیا اور مالی لحاظ سے بھی اسے مضبوط بنایا۔ دوسرے دینی مدارس نے بھی اس کی تقلید کی۔ اور اس قدیم ادارہ نے ایک دفعہ پھر زمانۂ جدید کے تقاضوں کے مطابق عربی زبان اور ادب کی خدمت کرنی شروع کی۔

الجامعۃ المصریۃ کا قیام

مصر ترقی کی منازل طے کر رہا تھا کہ اس پر ایک نئی آفت آئی یعنی انگریزوں نے حملہ کر کے اپنا تسلّط قائم کر لیا۔ ان کا پہلا وار نظامِ تعلیم پر تھا کیونکہ ایسا نظامِ تعلیم جس کی بنیاد حب الوطنی پر ہو ان کے مفید مطلب نہ ہو سکتا تھا چنانچہ انہوں نے ایسا نظامِ تعلیم رائج کیا جو اُن کے ڈھب کے ہی آدمی پیدا کرے۔ تاہم یورپ کی علمی ترقی نے مصریوں کی آنکھیں کھول دی تھیں۔ انہوں نے ہمت کر کے اپنی اولاد کی تعلیم کا نظام اپنے ہاتھ میں لے لیا اور غیر سرکاری مدرسے قائم کیے۔ ۱۹۰۸ء میں ایک قومی یونیورسٹی الجامعۃ المصریہ کی بنیاد رکھی گئی جس کے لیے مصری اساتذہ کے ساتھ ساتھ یورپین اساتذہ کی خدمات بھی حاصل کی گئیں۔ طلبائے ازہر میں جو کمی محسوس کی جاتی تھی اسے پورا کرنے کے لیے اس قومی یونیورسٹی کے زیر اہتمام ادب اور فلسفہ پہ لیکچر دینے کا پروگرام بنایا گیا جس میں طلبائے ازہر کے علاوہ سرکاری ملازمین کو بھی شرکت کی دعوت دی جاتی تھی۔ تاکہ انگریزی نظامِ تعلیم میں جو کمی ہے اس کی تلافی کی جا سکے۔ ۱۹۲۵ء میں حکومت مصر نے اس یونیورسٹی کا انتظام سنبھال لیا اور وہ اب یہ مصر کی جدید ترین یونیورسٹیوں میں سے ہے۔ جامعہ ازہر اور جامعہ مصریہ ہی نے زمانۂ ماضی کو زمانۂ جدید سے ملا دیا اور صحیح معنوں میں عربی ثقافت پیدا کی۔

تعلیمی اسناد

جدید ترقی کی وجہ سے حکومت کی ذمہ داریاں بھی پہلے کی نسبت کئی گنا زیادہ ہوگئیں۔ جس کے لیے کافی ملازمین کی ضرورت تھی۔ زمانۂ قدیم میں حکومت کی ملازمت کے لیے کسی تعلیمی سند کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ اب حکومت نے صرف ان لوگوں کو ملازمتیں دینی شروع کیں۔ جن کے پاس تعلیمی اسناد ہوتیں۔ اس طرح ملازمت کے لیے تعلیمی سرٹیفکیٹ لازمی قرار دیا گیا۔ اس وجہ سے بھی عوام کی ایک بہت بڑی تعداد نے اسکولوں میں داخلہ لیا اور تعلیم کی طرف رغبت کی۔

زمانہ کے نئے تقاضوں کے ساتھ محکمہ قضا بھی نئی بنیادوں پر قائم ہوا۔ اس کے جدید لوازمات میں پیشۂ وکالت بھی تھا۔ وکلاء مقدمات میں پیش ہوکر دلائل دیتے۔ ان کا بڑا انحصار دلائل کی قوت اور فصاحتِ زبان تھا۔ اس کے نتیجہ میں باقاعدہ طور پر قانون کی لغت وجود میں آگئی جس نے عربی زبان کی ثروت میں اضافہ کیا۔

طباعت کی ترقی

مصر، شام اور قسطنطنیہ میں عربی مطابع جاری ہونے سے علمی ترقی کی رفتار تیز تر ہوگئی۔ عربی کتب کی اشاعت کی ابتدا یورپ کے علمی مراکز سے ہوئی اور ۱۵۱۴ء میں عربی زبان کی سب سے پہلی کتاب شائع ہوئی تھی۔ علم کے ان مراکز سے جو نادر کتب شائع ہوئیں ان میں "بائبل کا عربی ترجمہ" ادریسی کی کتاب "نزہۃ المشتاق" "قانون ابن سینا" "تحریر اصول اقلیدس" وغیرہ شامل ہیں۔ اور ابھی تک ان مراکز سے عمدہ عمدہ اور قیمتی کتابیں طبع ہو رہی ہیں۔ قسطنطنیہ کا پہلا مطبع ۱۴۹۰ء میں جاری ہوا جن میں بہت سی دینی اور علمی کتابیں شائع ہوئیں۔ ممالک عربیہ کا پہلا مطبع لبنان میں قائم ہوا جو عیسائی مبلغوں کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ ۱۸۴۸ء میں ایک بہت بڑے چھاپہ خانے "مطبع کیتھولک" کی بنیاد پڑی۔ جس نے قدیم عربی مخطوطات شائع کرکے عربی زبان کی بے بہا خدمات انجام دیں۔ مصر میں چھاپہ خانہ ۱۷۹۸ء میں نپولین کی معرفت آیا۔ جو اس کی واپسی کے ساتھ ہی ختم ہوگیا لیکن جب محمد علی تخت نشین ہوا تو اس نے مصر کے سب سے بڑے

چھاپہ خانہ "مطبع بولاق" کی بنیاد رکھی۔ اس مطبع کا ایک بڑا کارنامہ تو یہ ہے کہ اس میں عربی حروف بڑی عمدگی اور خوب صورتی سے ڈھالے گئے۔ شروع شروع میں اس میں کچھ ترکی اور فارسی کتابیں بھی شائع کی گئیں۔ پھر وہ تین سو کتابیں شائع ہوئیں جو غیر ملکی زبانوں سے ترجمہ کی گئی تھیں۔ اگرچہ اولیت سائنس کی کتابوں کو دی گئی تاہم بعد میں عربی ادب کی کتابیں بھی کثرت سے شائع ہونے لگیں۔ مثلاً کلیلہ ودمنہ، خزانۃ الادب الکبری للبغدادی، مقدمہ ابن خلدون، مقاماتِ حریری، تفسیر کبیر علامہ رازی کی، قاموس اور کتاب الاغانی وغیرہ۔

شام کے چھاپے خانے مشنریوں ہی کی ملکیت تھے۔ جن میں شروع شروع میں تو عیسائی مذہب کی کتابیں شائع ہوئیں۔ لیکن بعد میں عربی ادب کی کتابوں کی طرف توجہ دی گئی۔ قسطنطنیہ میں جو مطبع قائم کیا گیا تھا یعنی "دار الطباعۃ العامرۃ" وہ ان تمام سے بڑا تھا۔ اس میں ابتداءً تو ترکی اور فارسی کتب سے ہوئی، لیکن بعد میں علومِ عربیہ کے ہر فن مثلاً صرف، نحو، بلاغت، فلسفہ، اصول، کلام اور فقہ کی کتابیں بکثرت طبع ہوئیں۔

مطبع بولاق کی طرز پر قاہرہ اور اسکندریہ میں بھی بڑے بڑے چھاپے خانے قائم ہو گئے۔ اور کتابیں اتنی عام اور سستی ہو گئیں کہ ہر خاص و عام انہیں آسانی سے خرید سکتا تھا۔ اس سے طلباء خصوصاً ازہر کے نادار طلباء کے لیے حصولِ علم پہلے کی نسبت آسان ہو گیا۔

صحافت کا فروغ

کسی نے سچ کہا ہے کہ اخبار چلتے پھرتے مدرسے ہیں۔ کسی قسم کے تعلیمی اور فکری ترقی کا ایک بہت بڑا ذریعہ اخبار ہیں۔ مصر، شام اور قسطنطنیہ میں عربی اخبارات کے جاری ہونے سے جہاں علمی ترقی ہوئی، وہاں عربی ادب و زبان کو بھی پھولنے اور پھلنے کا خوب موقع ملا۔ عربی زبان کا سب سے پہلا اخبار الوقائع المصریہ ہے، جو ۱۸۲۸ء میں جاری ہوا۔ اس کا پہلا شمارہ ترکی زبان میں تھا۔ لیکن جب اس کے ادارۂ تحریر میں شیخ حسن العطار اور شیخ شہاب الدین کو شامل کیا گیا تو یہ عربی اور ترکی دونوں میں شائع ہونے لگا اور آخر میں صرف عربی میں ہی رہ گیا۔ لیکن

پھر اس کے دو ایڈیشن شائع ہونے لگے۔ ایک عربی میں دوسرا فرانسیسی میں۔ یہ اخبار ہفتے میں تین بار شائع ہوا کرتا تھا۔

۱۸۵۸ء میں دمشق سے حدیقۃ الاخبار جاری ہوا۔ ۱۸۶۰ء میں احمد فارس نے قسطنطنیہ سے "الجوائب" نکالا۔ پھر تھوڑے وقفے کے بعد بیشمار ادبی رسائل جاری ہونے لگے۔ چنانچہ مصر میں الوقائع المصریہ کے بعد وادی النیل، اسکندریہ، الزمان، الاعتدال، المفلاح، الاہرام، المقطم، المویبد، اللواء، العلم، الجریدہ، الشعب اور درجنوں دوسرے اخبار اور رسائل جاری ہو گئے۔ جن میں اکثر ذاتی ملکیت تھے اور کچھ سیاسی پارٹیوں سے منسلک ہوتے تھے۔ شامی ادیب بھی اس میدان میں کسی لحاظ سے پیچھے نہ تھے۔ ان کے تین جرائد نے عربی زبان و ادب کی نشر و اشاعت میں عمدہ خدمات انجام دیں۔ ایک تو جریدۃ الفلاح۔ جسے سلیم حموی نے جاری کیا اور جو اِن کی وفات پر بند ہو گیا۔ دوسرا اہرام جو سلیم تقلا نے جاری کیا تھا۔ ان کے بعد ان کے بھائی لبشارت تقلا نے اس کا انتظام سنبھالا، اور پھر ان کی وفات پر ان کے بیٹے جبریل تقلا کی نگرانی میں آگیا۔ تیسرا جریدہ المقطم تھا جو فارس نمر اور یعقوب صروف کی زیر ادارت شائع ہوتا تھا۔ مصر اور شام میں ان اخبارات و رسائل کی وجہ سے تعلیم کی اشاعت میں اس قدر مدد ملی کہ اسلاف اس کا تصوّر تک بھی نہیں کر سکتے تھے۔ حکومت کے لیے بھی ان کے ذریعہ عوام میں تعلیم پھیلانے کا کام زیادہ آسان ہو گیا۔

علمی مجالس کا قیام

جدید علمی و ادبی ترقی کا بہت بڑا محرک علمی مجالس کا قیام ہے ان مجالس میں اہم عنوانات پر بڑے فاضلانہ لیکچر دیئے جاتے جنہیں بعد میں کتابی صورت میں شائع کر دیا جاتا تھا۔ باوجود رسائل کی کمی کے شام اس میدان میں دوسرے عربی ممالک سے سبقت لے گیا۔ مصر میں ان مجالس کا اجراء سید جمال الدین افغانی کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ نپولین نے جو علمی مجلس قائم کی تھی وہ اس کے جاتے ہی ختم ہو گئی۔ مندرجہ ذیل مجالس نے عالمی شہرت حاصل کی اس لیے ان کا

مختصر ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ المجمع العلمی العربی دمشق

شام میں جدید علمی ترقی کے بانی مبانی پروفیسر محمد بک کرد علی تھے جو کچھ عرصہ تک وزیر تعلیم بھی رہے۔ انہی کی کوششوں سے ۸ جون ۱۹۱۹ء کو اس علمی مجلس کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس انجمن کا بنیادی مقصد ادبیات عربی کی ترقی تھا۔ اس مجلس نے شام، عراق و مصر کے بڑے بڑے علماء کے ساتھ ساتھ مستشرقین کی خدمات بھی حاصل کیں۔ جدید ادیبوں، شاعروں اور دوسرے لکھنے والوں میں جو غلطیاں رواج پا رہی تھیں ان کی اصلاح کی۔ نادار مصنفین اور مترجمین کی ہر ممکن امداد کی۔ ایک بلند پایہ علمی رسالہ جاری کیا جس میں معیاری مضامین اور فاضلانہ مقالات شائع ہونے لگے۔ اور یہ رسالہ ابھی تک جاری ہے۔

۲۔ المجمع فواد الاول للغتہ العربیہ

اگرچہ اس میدان میں شامی سبقت لے گئے، تاہم مصر بھی پیچھے نہ رہا۔ ۱۳ دسمبر ۱۹۳۲ء کو وزارتِ تعلیم کی نگرانی میں قاہرہ میں اس علمی مجلس کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے ارکین کی تعداد چالیس تھی۔ جن کا انتخاب عربی لغت و ادب کے ماہرین میں سے کیا گیا تھا۔ اس میں مصری فاضلوں کی تعداد تیس تھی۔ اور باقی دس دوسرے عربی ممالک کے علماء مستشرقین تھے۔ اس مجلس کا بنیادی مقصد بھی عربی زبان و ادب کو ترقی دینا اور اس کو اس قابل بنانا ہے، کہ وہ کسی غیر ملکی زبان سے کم معیار کی نہ ہو۔ اس مجلس نے ممالک عربیہ میں عربی زبان کے مختلف لہجوں اور لغت عربی کی تحقیق پر بڑا شاندار کام کیا ہے۔